اردو فکشن میں نئے موضوعات کی کھوج اور عالمی رحجانات

ڈاکٹر محمد افضال بٹ[1]، ڈاکٹر طاہر عباس طیب **

Abstract:

"The world is undergoing an evolutionary process. So changes are taking place in every sphere of life and trends are changing. Knowledge has expanded to such an extent that it is divided into innumerable layers and each layer has its own philosophy. Therefore, the old status of philosophy cannot be insisted upon. This is also the case with literature. Each age has its own requirements and needs. Exploring new topics and global trends is an important topic in Urdu fiction. Speaking of the words in the subject, Urdu fiction generally includes stories, novels, dramas and fictions, but in addition to these four, novels, fiction and fiction are also included. When added, the colors of the rainbow of Urdu fiction are completed

There is a treasure trove of Urdu fiction in the form of stories, novels, fiction and drama. In the present era, novels, fiction and humor are also on the path of development after making their name. Literature has a direct effect on every human being living in this world and his way of life. This effect later helps man to improve his personality. A constructive society always leads to the creation of purposeful literature."

موضوع میں موجود الفاظ کی بات کریں تو اردو فکشن میں عمومی طور پر داستان، ناول، ڈراما اور افسانہ وغیرہ شامل ہیں مگر ان چارکے علاوہ ناولٹ، افسانچہ اور فکاہات کو بھی شامل کر لیا جائے تو اردو فکشن کی قوسِ قزح کے رنگ مکمل ہو جاتے ہیں۔ داستان، ناول ، افسانے اور ڈرامے کی صورت میں اردو فکشن میں بے بہا خزانہ موجود ہے۔ موجودہ دور میں ناولٹ، افسانچہ اور فکاہات بھی اپنا نام بنانے کے بعد ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ اگر بات کریں نت نئے موضوعات کی تو معلوم ہو گا کہ ادب اس دنیا میں رہنے والے ہر انسان اور اس کے رہن سہن پر بلا واسطہ اثر ڈالتا ہے۔یہی اثر بعد میں انسان کو اپنی شخصیت سنوارنے میں مدد دیتا ہے۔ تعمیری معاشرہ ہمیشہ با مقصد ادب وجود میں لانے کا سبب بنتا ہے۔عمومی طور پر وکی پیڈیا پر دیا گیا مواد مکمل طور پر مستندنہیں سمجھا جاتا مگر جب راقم نے وکی پیڈیا پر فکشن کی تعریف دیکھی تو یوں محسوس ہوا کہ یہ فکشن کی تعریف کے معیار پر قدرے سے زیادہ پورا اترتی ہے۔ فکشن کی تعریف وکی پیڈیاکے مطابق کچھ یوں ہے:

> ''فکشن سے مراد ایسا کوئی کام ہے جو، جزوی یا مجموعی طور پر، مصنف کی ایجاد کردہ غیر حقیقی اور من گھڑت معلومات یا واقعات پر مشتمل ہو۔ اگرچہ فکشن کی اصطلاح خصوصاً ناولوں اور افسانوں کے لیے استعمال ہوتی ہے، تاہم اس کا اطلاق جلوہ گاہ (تھیٹر)، فلموں، ٹیلی ویژن ڈراموں، نظموں اور گیتوں پر بھی ہوتا ہے۔ فکشن کی ضدغیر فکشن (یا غیر فکشن) ہے جو قطعی طور پر حقیقی (یا کم از کم فرض کردہ حقیقی) واقعات، تفصیلات اور مشاہدات، وغیرہ کا بیان ہوتی ہے۔''(۱)

یعنی کہ فکشن فنون لطیفہ کی ایک ایسی جہت ہے جس میں حقیقت کا حقیقی معنوں میں کوئی

---

[1]صدر شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی،سیالکوٹ

** اسسٹنٹ پروفیسر ،شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی،سیالکوٹ

تصور نہیں ہوتا البتہ فکشن کشید حقیقت سے ہی ہوتا ہے۔ لیکھک اپنے تخیل سے کچھ ایسی تصوراتی بُنت کرتا ہے کہ پڑھنے والے پر حقیقت کا گماں چھوڑ دیتا ہے اور کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ نصف صدی گزرنے کے بعد اس وقت کا فکشن حقیقت بن کر سامنے آجاتا ہے ۔ مثال کے طور پر تاریخی کتب کے معروف مصنف نے اپنی ایک کتاب کا عنوان ہی ''سوسال بعد''(۲) چُنا، یوں اِس دور کا قاری جب وہ کتاب پڑھتا ہے تو اسے وہ سب حقیقت کے بہت قریب محسوس ہوتا ہے لیکن ہر فکشن نگار کا فکشن آنے والے دور کی تصویر کشی نہیں کر سکتا۔فکشن ہر دور میں اپنی ہیئت اور نئی شکل کے ساتھ ابھر کر سامنے آتا ہے ۔یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ فکشن ادیب کے ہاتھوں تخلیق ہوتا ہے یا ہر دور کے رحجانات انسانی فکری سوچ کو ہر لمحہ نئی کھوج پر اکساتے ہیں اور فکشن ادیب پر اپنی پرتیں کھولتا چلا جاتا ہے ۔

جہاں تک اُردو فکشن میں نئے موضوعات کی کھوج اور عالمی رحجانات کا تعلق ہے تو اس تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں حادثات و واقعات جس قدر تیزی سے رونما ہورہے ہیں ،عصر حاضر کے انسان کو اجتماعی اور معاشرتی لحاظ سے نت نئے چیلنجز کا سامنا ہے۔اس کی ایک اور بنیادی وجہ جدید ٹیکنالوجی کو قرار دیا جائے تو بھی غلط نہ ہوگا، جہاں جدید ٹیکنالوجی نے انسان کی زندگی کو بہت آسان کیا ہے وہاں اپنے آپ میں جکڑ کر بھی رکھ دیا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی نے اپنے اثر سے دیہات سے لے کر بڑے شہروں، ایک عام مزدور، کسان غرض کہ زندگی کے تمام شعبوں پر اپنی گہری چھاپ چھوڑی ہے اور اس کے اثرات اور اس جدید ٹیکنالوجی سے رو گردانی کسی صورت ممکن نظر نہیں آتی۔ مطلب یہ ٹیکنالوجی اس دور میں یہ ہمارے اعصابی نظام کا حصہ بن چکی ہے۔

اردو ادب کے ابتدائی دور میں اصلاح نسواں جیسے موضوع پر ڈپٹی مولوی نذیر احمد اور علامہ راشد الخیری نے جو فکشن تحریر کیا وہ موجودہ دور میں بھی دیگر موضوعات پر حاوی ہے۔ اسی طرح گزشتہ تین یا چار دہائیوں میں ادب کا مرکز اور محور کھیت کھلیان ، قدرتی مناظر،جرم و سزا، روحانیت، رومانویت، جنس،طنز و مزاح،تعلیم بالغاں جیسے موضوعات رہے ہیں ۔ ادب کی گزشتہ صدی میں احمد ندیم قاسمی نے جس قدر عمدگی سے اردو فکشن میں دیہی زندگی کی عکاسی کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی مگر اس کے ساتھ ساتھ احمدندیم قاسمی کے فکشن میں بھی نئے رحجانا ت جابجا دکھائی دیتے دیتے ہیں۔مثال کے طور پر:

> ''کتابوں میں اس نے پڑھا تھا کہ دیہاتی لڑکیوں کے حسن میں ابھی تک یونانی تصور کی وہ رمق باقی تھی، جس نے دیوتاؤں کے دماغ مختل کردیئے تھے اور زندگی کے کڑے سے کڑے قانون محض اس حسن کی ہم نشینی کے لیے توڑ پھوڑ ڈالے گئے۔ وہ شہروں سے بیزار تھا۔ یہاں کی سڑکیں تک بھی مصنوعی تھیں۔ کنکریاں بچھاؤ ۔ انجن چلاؤ۔ تارکول کا تعفن پھیلاؤ اور مقدس دھرتی کے جسم پر بدنما خراشیں ڈال دو۔ یہ بڑے بڑے ہوٹلوں کے دبیز پردوں کے پیچھے ریڈیو کی مدھم آوازیں۔ گھبرائے ہوئے قہقہے اور پُراسرار کھسر پھسر۔ سائنس کے ایجاد کردہ آلات سے سلجھی ہوئی پلکیں جو دیر تک جھکے رہنے کے جادو سے نا آشنا تھیں۔ یہ گرجتے ہوئے بازار اور یہ بھبکتی ہوئی دکانیں! یہاں زندگی دیوانی ہورہی تھی! ''(۳)

یہ تصور ہی کتنا اہم ہے کہ قاسمی کے دور کی سائنسی ترقی موجودہ دور کی سائنسی ترقی سے کس قدر کم تر ہونے کے باوجود احمدندیم قاسمی نے اس نام نہاد ترقی کے رحجانات و اثرات اس قدر حساسیت سے اپنے قلم کے سپرد کیے کہ آج جب قاری ان کے افسانوں میں موجود اس فکشن کا اثر اپنے اندر محسوس کرتا ہے تو ماضی کے سکون اسے سراب لگتے ہیں۔تاریخ کتنے ہی ایسے اہم واقعات سے بھری پڑی ہے جن کا وقوع دنیا کو زیر وزبر کردیتا ہے۔ سود و زیاں کے پیمانے اور خیر و شر کی میزان بدل جاتی ہے اور زندگی خود کو ایک نئے آئینے میں دیکھنے لگتی ہے۔ اس نئے آئینے میں خود کو پہچاننے، اپنے بھولے ہوئے یا بگڑے ہوئے خال و خد کو نئے سر ے سے تراشنے میں بعض اوقات صدیاں گزرجاتی ہیں۔

عالمی واقعات کے پیش نظر اردو فکشن کے بدلتے رحجانات اس بات کی دلیل ہیں کہ کسی بھی خاص زبان میں یا کسی بھی خاص جغرافیائی حدود میں لکھا یا پڑھا جانے والا ادب عالمی سطح پر وقوع پذیر ہونے والے چھوٹے سے چھوٹے واقعے /سانحے سے بھی اثر لیتا ہے یوں کبھی تو وہ تاریخی حقائق کی صورت میں سامنے آتا ہے اور کبھی فکشن میں ضم ہوکر پڑھنے کو ملتا ہے۔

ہر دور کے سانحے ،واقعےنے اپنے دور کے ادیبوں سے اپنے ہی عہد کا فکشن تخلیق کروایا ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ روشن خیال ادبا کے سامنے موضوعات کی کمی کبھی نہیں رہی۔ عالمی رحجانات کے تناظر میں بیش بہا ادب تخلیق ہوا۔1857ء کی جنگ آزادی کے پس منظر میں تخلیق ہونے والے ادب میں بہادر شاہ ظفر کی شاعری سے لے کر عبداللہ حسین کی نثر تک ایک طویل فہرست موجود ہے۔ جس کا اس وقت تفصیلی ذکر کیا جائے تو شاید ہمارا موضوع اپنی وسعت کے اعتبار سے اس بات کی اجازت نہ دے۔اس کے بعد کے عالمی واقعات میں پہلی جنگ عظیم نے اردو ادب پر اپنا منفرد اثر چھوڑا۔ سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے، ریشمی رومال تحریک، ہندوستان چھوڑ دو تحریک، ستیہ گرہ تحریک، ترک موالات تحریک، نہرو رپورٹ ، چودہ نکات، کانگریسی وزارتیں اور تقسیم کے تناظر میں اردو ادب کی ایک طویل فہرست موجود ہے ۔ اس فہرست میں شاعری، مکتوبات اور دیگر شامل ہیں۔ برطانوی سامراج سے آزاد معاشرے پر اچھے برے دونوں طرح کے احساسات کو بہ صورت فکشن پیش کرنے کی کوشش کی گئی ۔ سعادت حسن منٹو،ممتاز مفتی ،قدرت اللہ شہاب جیسے ادیبوں نے جب قلم کشا کیے تو پاک و ہند کے حوالے سےعالمی رحجانات اس طرح سے بھی اردو ادب کی فکشن نگاری پر اثر انداز ہوئے کہاپنے وقت کا ایک اچھوتا ادب تخلیق ہوتا گیا۔منٹو نے ہندستان کےبٹوارے اور فسادات پر تقریباً بیس کے قریب کہانیاں لکھیں۔کھول دو،ٹھنڈا گوشت، موتری،گورمکھ سنگھ کی وصیت، موذیل اور ٹوبہ ٹیک سنگھ جیسے افسانوں نے بہ صورت فکشن پڑھنے والوں پر ایسا تاثر چھوڑا کہ کبھی بیان کئے گئے حقیقی واقعے پر واقعی اصل حقیقت کا گماں ہوتا تو کبھی فکشن کا غلبہ حقیقت پر محسوس ہونے لگتا۔ ان میں اکثر کے تراجم عالمی سطح ہر شائع بھی ہوئے۔ان حالات میں منٹو کے دل ودماغ پر جو کچھ گزرااس کی تفصیل اگرچہ ہولناک ہے اور فرقہ وارانہ درندگی اور مذہبی جنون سے بوجھل فضا میں ایک انسان دوست ادیب کے موقف کی شاید سب سے انوکھی مثال ہے۔اپنے ایک مضمون یا رپورتاژ" زحمت مہر درخشاں" میں منٹو نے اپنی حالت کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا:

> ''طبیعت میں اکساہٹ پیدا ہوئی کہ لکھوں ۔ لیکن جب لکھنے بیٹھا تو دماغ کو منتشر پایا۔ کوشش کے باوجود ہندوستان کو پاکستان سے اور پاکستان کو ہندوستان سے علاحدہ نہ کرسکا۔ باربار دماغ میں الجھن پیدا کرنے والا سوال گونجتا۔ کیا پاکستان کا ادب، علاحدہ ہوگا؟ اگر ہوگا تو کیسے ہوگا۔ وہ سب کچھ جو سالم ہندستان میں لکھا گیا تھا، اس کا مالک کون ہے؟ کیا اس کو بھی تقسیم کیا جائے گا۔ کیا ہندستانیوں اور پاکستانیوں کے بنیادی مسائل ایک جیسے نہیں!'' (۳)

منٹو جدید ادب کا ایک ایسا ستارہ رہا ہے کہ آج عہد جدید میں بھی منٹو کا ادب بے باکی میں اپنی مثال آپ ہے۔اردو فکشن میں نت نئے تجربات کے ساتھ طبع آزمائی منٹو کا خاصہ ہی نہیں رہی ہے بلکہ منٹو کا شمار اس عمارت کی نیویں اٹھانے والوں میں ہوتا ہے۔منٹو کے فکشن میں اس طرح کی مثالیں جابجا ملتی ہیں ۔

انتظار حسین کا فکشن ہمیشہ عالمی رحجانات کے زیر اثر رہا۔جدید فکشن میں اگر انتظار حسین کے ناول بستی کو سامنے رکھا جائے تو اپنے دور اور اپنے زمانے کے اعتبار سے انتہائی منفرد تخلیق ہے۔ راقم کی دانست میں اس ناول کا تاثر ایک مخمصے کی صورت میں ابھرتا ہے۔ مصنف ماضی پرست ہونے کے باوجود انتہائی جد پسند تھا وہ اردو زبان کا ایسا دانشور تھا جو فرانسیسی ناول نگار اور فلسفی ژاں پال سارتر کی طرح اپنے روزوشب کا بیشتر حصہ اخبار کے دفاتر، ہوٹلوں ، ڈھابوں اور چائے خانوں میں گزارتا تھا، جووجودی فلسفے اور سریلزم کا پرستار تھا۔ تاہم منتقی ہئیت پسندی سے انکار کرتا اور چائے خانوں کے ہجوم میں بیٹھ کر اپنی تنہائی کشید کرتا اور اپنے وقت کا بہترین فکشن تخلیق

کرتا۔جب انتظار حسین اور اس کے ہم عصر علامت نگار فکشن تخلیق کر رہے تھے ، اس وقت وجودیت کی تحریک اپنے عروج پر تھی۔ ژاں پال سارتر اور اس کے ساتھیوں کا شہرہ اوج کمال پر تھا۔ وجودیت کی تحریک کے گہرے اثرات فکشن نگاروں کی تحریروں میں نمایاں نظر آتے تھے ۔ اردو ادب کے معروف فکشن نگاروں نے اس تحریک کے زیر اثر ادب تخلیق کیا ان میں انتظار حسین کے علاہ انور سجاد، انیس ناگی اور رشید امجد سرفہرست ہیں۔ انور سجاد نے 'خوشیوں کا باغ' اور انیس ناگی نے 'دیوار کے پیچھے' کے نام سے ناول تخلیق کیے۔ ان دونوں کے برعکس رشید امجد نے خود افسانے کی صنف تک محدود رکھا۔ انور سجاد اور انیس ناگی دونوں سارتر کی غیرمذہبی وجودیت کے زیر اثر رہے۔سارتر کے نزدیک انسانی جبلت کو آفاقی کہنا ایک بے معانی سی بات ہے، زندگی تغیر پذیر حالات سے مشتق ہے اور امداد وقت کے ساتھ انسان مختلف النوع واقعات کا سامنا کرتا رہا ہے سارتر کے مطابق :

''کسی مخصوص وقت میں آدمی خود کو جن حالات میں پاتا ہے، وہی اس کے لیے آفاقی حیثیت کا درجہ رکھتے ہیں۔''(۵)

سارتر کے اس بیانیے کے تناظر میں انسانی فطرت اور جبلت میں ایک عالم گیر سا تاثر ابھر کر سامنے آتا ہے کہ جس میں ہر فرد کے گزرے جاتے لمحہ موجود کو ایک آفاقی لمحہ قرار دیا گیا ہے یوں کہ جیسے جو جس پر بیت رہا ہے وہ بس اسی پر بیت رہا ہے نہ تو وہ احساس کسی اور پر اتررہا ہے اور نہ ہی اس لمحے کا فیضان کسی اور پر نچھاور ہورہا ہے۔

قدرت اللہ شہاب گو کہ قدامت پسند ادیب تھا مگر اپنے قلم کو روزبہ روز بدلتے عالمی رحجانات کی زد سے نہ بچاسکا۔ وہی قدرت اللہ شہاب جو اپنی شہرہ آفاق کتاب ''شہاب نامہ'' میں مجرب وظیفوں کا راگ الاپتا رہا وہی قدرت اللہ شہاب ''یاخدا ''میں آزادی کے تناظر میں بدلتے رحجانات کے اثر کو قبول کیے بنا نہ رہ سکا۔قدرت اللہ شہاب کا'' یا خدا'' اپنی طرز کا ایسا المیہ ہے کہ اختصاریے کے باوجود ایک مکمل کتھا بن کر قاری کے ذہن پر نقش ہونے لگتا ہے۔

11ستمبر 2001 کاحادثہ جس کو عالمی منظرنامے نے 9/11نائن الیون کا نام دیا۔ 9/11 کے سانحے نے بھی اردوادبا پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں خصوصاً اردو افسانے نے اس واقعے کا گہرا اثر قبول کیا اور قاری کے عالمی رحجانات کا زاویہ بدل کر رکھ دیا۔ گیارہ ستمبر کا واقعہ امریکی ادب ہی نہیں بلکہ پاکستانی ادب پر بھی خاصی شدت سے اثرانداز ہوا۔ اردو ادب یوں بھی بڑی حد تک سیاسی و معاشرتی تناظر کا عکاس اور مبصر رہا ہے سیاسی وملکی امور کو موضوع بنانے والے ادیب اور شاعر یا ان کی ایسی تخلیقات جو کسی نہ کسی قومی یا معاشرتی مسئلے سے متعلق ہوں، نسبتاً جلد شہرت پاجاتی ہیں۔ ادیبوں کو ان کی سماجی اور معاشرتی ذمہ داریوں کا احساس قدم قدم پر دلایا جاتا ہے۔ گیارہ ستمبر کا واقعہ، جو اگرچہ پاکستان سے کوسوں دور کسی اجنبی سرزمین پر رونما ہوا لیکن اپنے عالمی ہمہ گیر اثرات اور پاکستان کی مخصوص سیاسی و دفاعی نوعیت اور جغرافیائی حیثیت کے پیش نظر ، پاکستان کی سیاست، معیشت، معاشرت اور شہری زندگی کے امن وسکون پر شدت سے اور منفی طور پر اثر انداز ہوا۔ فکشن اور شاعری دونوں میں بھرپور طریقے سے رونما ہوا۔جس کی عمدہ مثالیں الطاف فاطمہ کا دید ودید، مسعود مفتی کا شناخت اورڈاکٹر رشید امجد کا مجالِ خواب ہیں۔

گیارہ ستمبر کے واقعے کے بعد امریکہ نے بیشتر مسلم ممالک پر اپنا تسلط قائم کرنے کی کوشش میں نہ صرف افغانستان بل کہ عراق میں بھی جنگ کا منظم آغاز کیا اور نا حق خون بہایا۔ اسی تناظر میں سیّد مبارک شاہ کے شعری مجموعے ''جنگل گمان کے'' سے منتخب نظم''ہم وہی لوگ ہیں(اہل عراق کا نوحہ)'' کا پہلا بند ملاحظہ کیجیے :

''ہاں وہی لوگ ہیں
ہاں وہی لوگ ہیں
جن کا خوں تشنہ صحرا میں ضم ہوگیا

جن کا نوحہ ہوا پر رقم ہوگیا
جن کے گھر ریت میں ریت سے ہوگئے
اور جو دشت اوڑھ کر دشت میں سوگئے
جن کے معصوم بچے
اور اُن کے کھلونے کہیں کھو گئے''(۶)

امریکہ بہادر نے ہزاروں بے گناہ جانوں کے عوض عراقی تیل پر صرف قبضے کے حصول کے لیے نام نہاد جنگ چھیڑی ۔ اس جنگ میں عراقی صدر صدام حسین سے لے کر معصوم بے گنا ہ بچے تک اس ظلم و بربریت کی بھینٹ چڑھا دیے گئے۔ اس جنگ سے متاثر ہونے والوں میں ہر خاص و عام شامل تھا۔ جنگ کے تناظر میں اگر ہم موضوعات تلاش کریں تو معلوم ہوگا کہ جنگ زدہ عراقی لوگ سیاسی، معاشی، سماجی اور نفسیاتی طور پر تنزل کا شکار ہوچکے تھے ۔اسی تنزلی کو موضوع بنانے میں کوئی دو رائے نہیں ہوسکتیں۔

سانحہ پشاور آرمی پبلک سکول کے پس منظر پر مستنصر حسین تارڑ کی کتاب ''پندرہ کہانیاں'' منظرعام پر آئی ، اس کتاب کا سرورق ہی اس سانحہ سے متاثر دکھائی دیا جہاں ننھے بچوں کے خون کے چھینٹوں کا عکس نمایاں تھا ، خون کے وہ چھینٹے جو ملک دشمن عناصر اور دہشت گردوں کی مضموم کارروائی کے نتیجے میں ایسے نمودار ہوئے کہ تمام عالم میں اپنا نقش چھوڑ گئے ۔ مستنصر حسین تارڑ کا یہ افسانوی مجموعہ ایک ایسا فکشن ہے جو خیبر پختونخواہ کے منظرنامے کو لیے ہوئے شدت پسندوں کی کارروائیوں کے ردعمل میں تخلیق کیا گیا۔

راقم نے جب عہد جدید کے ناول نگاروں کی کھوج میں کتابوں دکانوں کا رخ کیا تو اس اردو ادب کے بہت بڑے ناموں کی ایسی کتب بھی دیکھنے کو ملیں جو کہ نہ صرف اپنے مواد کے اعتبا ر سے عالمی رحجانات کے زیر اثر دکھائی دیں بل کہ پورے کے پورے ناول کا عنوان بھی عالمی رحجانات اثر سے ماورا دکھائی نہ دیا ۔ اس کی ایک مثال مشرف عالم ذوقی کے شہرہ آفاق ناول ''پوکے مان کی دنیا''(۷) ہے۔ پوکے مان دراصل ڈیجیٹل دنیا کا وہ کردار ہے جو بچوں کے لیے تخلیق کیا گیا اور متحرک فلموں کا کارٹون کریکٹر ہے اور ایسا کردار ہے جسے ادب والے تو کجا بے ادب مائیں بھی اپنے بچوں کے لیے ناپسند کرتی ہیں اور اس کردار کا نہ تو مشرقی معاشرے سے تعلق ہے اور نہ ہی ہمارے معاشرے سے معاشرتی و سماجی مطابقت ہے ۔ راقم کی دانست میں مشرف عالم ذوقی نے اپنے اس ناول کے عنوان کو ایک استعارے کے طور پر استعمال کیا ہےکہ جس طرح پوکے مان کے کردار کی دنیا وسیع ہے اسی طرح یہ ناول بھی اپنے کرداروں میں ایک وسعت سموئے ہوئے ہے۔ناول کے آغاز میں ہی گجرات فسادات کے تسلسل کے تناظر میں مسلمانوں کی نسل کشی اور آبرو ریزی کے حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''26 جنوری 2004، ہندوستان ٹائمس کا اداریہ تھا۔

Justice prevails
The Nerendra Modi government's attempts to drail the process of justice have failed in at at least one case relating to the riots in Gujrat in 2002.

میں نے آہستہ آہستہ پڑھنا شروع کیا ۔
مسلمان عورت کے ساتھ گجرات میں عصمت دری کرنے والے وشوہندو پریشد کے پندرہ لوگوں کو سی۔بی۔آئی نے حراست میں لے لیا۔ یہ امید کی جارہی ہے کہ گجرات نسل کشی کے شکار لوگوں کو انصاف ملے گا۔
انصاف..... میں نے چشمے کو ناک پر برابر کیا ۔
مودی سرکار نے اب تک دنگائیوں کو ہی بچانے کی کوشش کی ہے اسی طرح، جس طرح مودی سرکار دنگوں کے دوران، دنگوں کو روک پانے میں پوری طرح ناکام رہی ہے۔''(۸)

جہاں اردوادب میں گزشتہ کئی دہائیوں سے تہذیب و ثقافت ،مذہب و رنگ نسل کے مسائل کو لے

کر فکشن تخلیق کیا جاتا رہا ہے وہاں مشرف عالم ذوقی نے گجرات فسادات کو موضوع بنا کر فکشن کی صورت ایسا کارنامہ سرانجام دیا کہ ایک ایسے معاشرے ، ایک ایسی حکومت جہاں کنٹرول میڈیا کے سوا آزادی رائے کا کوئی تصور نہیں اسی معاشر ےکے نمائندہ کرداروں کو ''پوکے مان کی دنیا'' کے نام سے منسوب کیاجو کہ عصر حاضر کے ادیب پر عالمی رجحان کی گہری چھاپ کا عکاس ہے۔

ایک طرف ماحول بدلا ، ماحولیات سے متصل سوچ بدلی ، خواب بدلے ان کی تعبیریں بدلیں ، زندگی بدلی ، حتی کہ سب کچھ ہی بدل گیا گویا کرونا کے دوران جہاں اتنا کچھ بدل گیا وہاں ادب کو ایک نئی جہت بھی میسر آ گئی ، ادیب اپنی سوچ کو ایک خاص زاویے میں ڈھال کر قلم کشا کرنے لگے ، مستنصر حسین تارڑ نے کرونا کے دوران ان تمام معاشرتی تبدیلیوں اور عالمی اثرات سے اٹھنے والے رجحان کو اپنی کتاب "شہر خالی ، کوچہ خالی" میں ضم کر دیا۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''افسوس اس دنیا پرکہ جہاں دوست،دوست سے ڈر رہا ہے.. جہاں پیاسے پھول باغ ہی سے ڈر رہے ہیں، جہاں عاشق اپنے معشوق کی آواز سے ہی ڈر رہا ہے، جہاں موسیقاروں کے ہاتھ تارِ ساز سے ڈر رہے ہیں، شہسوار آسان و ہموار راستے سے ڈر رہا ہے، اور طبیب، بیمار کو دیکھنے سے ڈر رہارہا ہے۔''(۹)

ادیب کا خاصہ یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے گرد بپا ہونے والی قیامت کو قلم کی نوک پر رکھتا ہے اور اپنے حصے کا کام کیے جاتا ہے ، سانحے گزر تو کہیں رہے ہوتے ہیں مگر ان سانحوں سے کشید بھانبھڑ ادیب کے سینے میں اٹھ رہے ہوتے ہیں۔کرونا وبا نے روئے زمین کا شاید ہی کوئی کونا اپنے اثر سے محروم چھوڑا ہو۔ نہ صرف ایک وبا بل کہ رویوں کا ایک ایسا اندھیرا جہاں انسانی جبلت اپنی ازلی متانت تک سے محروم ہوگئی۔ بے شمار ایسے سانحے بھی گزرے کہ جب انتہائی مقدم اور پیارے رشتے آنکھیں چرانے لگے اور سسکتی ہوئی مٹتی جاتی روح کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ کر چلے گئے۔ کرونا اردو فکشن کے ادبا پر جس قدر اثر کیا اس کے اثرات کئی سالوں تک رونما ہوتے رہیں گے ۔ کرونا وبا نے مشرقی معاشرے کی ان اقدار کو یکسر بدل کر رکھ دیا جن کے نہ صرف علمبردار ہونے کا عَلم مشرقی معاشرے کے ہاتھ میں تھا بل کہ ان روایات کی پاسداری بھی برصغیر کے اس خطے کے سوا کہیں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ عمومی طور پر کہا جاتا ہے کہ خوشیوں میں چاہے کو سانجھ نہ دے لیکن دکھ تکلیف میں بن بلائے شراکت حاصل کرو۔اس وبا نے سب پہلے عیادت کی روایات کو ہی ختم کردیا یوں پہلے سے بیمار شخص کو مزید تنہائی کا شکار کردیا ۔راقم کی دانست میں ہمارے معاشر ے میں شاید کرونا سے اس قدر اموات نہیں ہوئی جس قدر اموات کی وجہ وہ تنہائی بنی جو کرونا کے شکار مریضوں کے ساتھ برتی گئی۔ کتنے ہی جنازے ایسے اٹھے کہ جن کو اٹھانے والے بھی مشکل سے میسر آتے تھے نہ کوئی تعزیت نہ کوئی پُرسا۔ ایک ایسی واہمے کی سی کیفیت کہ جس میں اپنا سایہ بھی اجنبی لگتا دکھائی دیا۔اردو ادب میں کرونائی اثر سے اٹی یہ کتاب اپنے عنوان میں ہی ایک تاثر لے کر پڑھنے والے کو متاثر کرتی چلی جاتی ہے ، ''شہر خالی ، کوچہ خالی'' ان تمام شاہراہوں کی تصویر کشی ہے جہاں سے کرونا سے قبل گزرنا تک محال ہوا کرتا تھا ، پیرس کی مصروف ترین شاہراہوں سے لے کر واشنگٹن ڈی سی کی آباد راتوں تک ، بیجنگ کی سڑکوں سے لے کر ماسکو کی سفید راتوں تک ، لندن کی رونقوں سے لے کر بریلی کے بازاروں تک حتی کہ برفیلی بلندیوں سے لے کر تھر کے صحراؤں تک سب بے آباد سا دکھائی دینے لگا ، گزشتہ کئی صدیوں سے اب تلک انسانی آنکھ نے یہ منظر شاید ہی دیکھ رکھا تھا۔اس دوران راقم خود بھی ایک روز لاہور کی مصروف ترین شاہراہ ''مال روڈ'' سے ایسے گزرا کہ جیسے ایک ایسے بیاباں سے گزر رہا ہو جسے حال ہی میں جدید تقاضوں سے تعمیر کیا گیا ہو۔ بشر تو کجا چرند پرند تک دکھائی نہ دیتے تھے۔

موجودہ دور میں تیسری دنیا کے ممالک کےبے شمار باشندے غیر مرئی لفظ 'سوشل میڈیا' کا شکار بن چکے ہیں۔ سوشل میڈیا کی نت نئی ایپس (جو ترقی یافتہ اقوام کی بنائی ہوئی ہیں) کی وجہ سے ہم اپنے اصل مقصد سے نہ صرف ہٹ چکے ہیں بل کہ ترقی یافتہ اقوام کی مختلف ایپس کو ہی زندگی

کا حاصل سمجھ چکے ہیں ۔ ان سوشل میڈیا ایپس میں فیس بک، ٹوئٹر، سنیپ چیٹ، ٹک ٹاک، واٹس ایپ اور پب جی وغیرہ شامل ہیں ۔ ان ایپس کی وجہ سے تیسری دنیا کے باشندوں کے روز مرہ کے معمولاتِ زندگی کی بنیادی ترجیحات تک تبدیل ہوچکی ہیں۔ ہر عمر کے لوگ اپنے کاروبار، دفتری امور، گھریلو ذمہ داریوں حتی کہ اپنی نیند تک بھول چُکے ہیں۔ راقم کی دانست میں یہ سوشل میڈیا کا شوشا شاید صرف اسی لیے ہے کہ غیر ترقی یافتہ ممالک کے لوگ اس میں مصروف عمل ہوکر مقصد حیات کو فراموش کردیں اور وہ کبھی بھی ترقی کی سیڑھیوں پر قدم نہ رکھ سکیں۔ محمد جمیل اختر نے اپنی افسانے اور مختصر کہانیوں کی بابت کتاب ''ہندسوں میں بٹی زندگی'' میں کیا خوب صورت انداز میں سوشل میڈ یا کی انسانی زندگی میں دخل اندازی کو بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے افسانے ' جیرے کالے کا دکھ' سے ایک اقتبا س درج ذیل ہے:

''وہ اب بڑا ہوگیا تھا۔ فیس بک پر اس نے پروفائل بھی بنا لی تھی، جس میں چہرے کا ایک رُخ دکھائی دیتا تھا ۔ ''(۱۰)

اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ سوشل میڈیا پر لوگ اپنا اصل شاید ہی بتاتے ہوں۔ جب اصل کو چھپانے، چہرے پر خول لگانے اور خود ساختہ بہروپ بھرنے کا سبق خود ایپ ہی دیتی ہے تو اس سے اخلاقی طور پر انسان کی بڑھوتری کیسے ممکن ہوسکتی ہے؟ اگر سوشل میڈیا کے متعلق ہم موضوعات تلاش کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر موضوع کے پیچھے ایک اور موضوع چھپا ہوا ہے اور ہم یہ بھی نہیں جانچ سکتے کہ ان دونوں میں سے کون سا موضوع حقیقی ہے یا حقیقت کے قریب یا پھر دونوں ہی موضوع سراب کے سے ہیں۔

حرف آخر یہ کہ موجودہ صدی میں انسانی زندگی کی ضروریات کی چیزیں مہنگائی ، عالمی سردجنگوں جیسے رویے اور ناگہانی آفات کی وجہ سے ناپید ہوتی جارہی ہیں۔ ان ضروریات زندگی کے ناپید ہونے کے ساتھ ساتھ سائنس انتہائی تیزی سے ترقی کا سفر طے کر رہی ہے۔ سائنس کی اس ترقی نے نہ تو بنیادی ضروریات زندگی ہر شخص تک پہنچائی ہیں اور نہ ہی اس کی امید واثق موجود ہے۔ موجودہ دور میں تو اس دنیا کے باسی پینے کے صاف پانی تک سے محروم ہیں اور وہ مریخ کو فتح کرنے میں سرگرداں ہے۔خالص بنیادی خوراک اور خالص پانی کی کمی کی وجہ سے انسان نہ صرف صحت جیسے مسائل کا سامنا کر رہاہے بل کہ اس کی عائلی زندگی تک تباہی کے دھانے پر کھڑی ہے۔ مسائل خوراک کے ہوں ، صحت کے ہوں، رہائش کے ہوں ، سماجی وعمرانی مسائل ہوں یا پھر معاشی ہوں ، ان سب کا اثر براہ راست بنی نوع انسان پر ہوتا ہے۔چوں کہ پوری دنیا آج کے دور میں بھوک ،افلاس ، غربت ، مہنگائی، گلوبل وارمنگ، ناگہانی آفات،نجی طرز معاشرت میں آپسی تعلقات کے بدلتے رحجانات، اخلاقی اقدار میں تنزلی، تیسری دنیا کے ممالک کے وسائل پر قبضہ، بے راہ روی، منشیات کا بطور فیشن بڑھتا ہوا استعمال اور بدعنوانی جیسے مسائل سے دو چار ہے اس لیے درج بالا مسائل کی وجہ سے انسان پر ہونے والے اثرات چاہے مثبت ہوں یامنفی، سب کے سب اردو فکشن میں نئے موضوعات کی کھوج کا سرچشمہ بن سکتے ہیں۔

حوالہ جات

1. https://ur.wikipedia.org/wiki/%D9%81%DA%A9%D8%B4%D9%86

۲۔ نسیم حجازی،**سوسال بعد،** لاہور: جہانگیر بک ڈپو، ۱۹۹۱ء

۳۔ احمد ندیم قاسمی، **سیلاب و گرداب،** لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۷ء، ص۵٦

۴۔ شمیم حنفی، ادب،**ادیب اور معاشرتی تشدد** ، لاہور: بیکن بکس ،۲۰۱۵،ص:۱۲۳۔۱۲۴

۵۔ ناصر بغدادی، **جدید مغربی ادب کے رحجانات،** لاہور: صریر پبلی کیشنز ،۲۰۲۰ء، ص۹۰

٦۔ مبارک شاہ، سید، **جنگل گمان کے**،لاہور: بک ہوم، ۲۰۱۳ء،ص۱۳٦

۷۔ مشرف عالم ذوقی، **پوکے مان کی دنیا،** لاہور: صریر پبلی کیشنز ، ۲۰۱۹ء،ص ۲۱

۸۔ مشرف عالم ذوقی، **پوکے مان کی دنیا،** ص۲۱

۹۔ مستنصر حسین تارڑ، **شہر خالی کوچہ خالی،** لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ، ۲۰۲۰ء،ص٦

۱۰۔ محمد جمیل اختر، **ہندسوں میں بٹی زندگی،** لاہور: صریر پبلی کیشنز ،۲۰۲۰ء،ص ۵۲